© rasailojaraid.com

ابوالعلاء محمد اسمٰعیل گودھروی

تفسیر القاء الرحمٰن

ترجمہ

تفسیر الہام الرحمٰن

(مسلسل)

قریش پہلے ہی سے تجارت پیشہ تھے۔ یعنی انسانیت کے متوسط طبقے سے تھے جو بادشاہوں اوران کے حالات سے اچھی طرح باخبر تھے اوران کے ساتھ ان کے معاملات ہوئے تھے جن سے وہ راضی اور خوش تھے اور تالیف قلوب میں انہیں یدی طولیٰ حاصل تھا۔ تاکہ ان کا مال بکے۔ اور یہی قریش بیت اللہ الحرام کے اردگرد بستے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے بیشتر تقریباً ایک سو برس بیت اللہ سے اردگرد آباد تھے۔

اس سے پہلے تمام قریش قبائل عرب میں منتشر اور پھیلے ہوئے تھے لیکن تمام عرب کے نزدیک ان کا احترام ایسا تھا جیسا مشائخ کے کبار کی اولاد سے ہوتا ہے۔ جب کوئی اصلاحی کام ہوتا یا مکارم کی طرف بلانا یا ایسے امور پیش کرنا جو تمام لوگوں کے لئے مفید اور ضروری ہیں تو ان کی اطاعت زیادہ سے زیادہ کرتے اور دوسروں کے مقابلہ ان کو ترجیح دیتے تھے۔

جو قبائل قریش، قبائل عرب میں منتشر اور پھیلے ہوئے تھے ان کو بھی یہ شرف حاصل تھا اور اس لئے قبائل قریش کی زعامت وسرداری عرب پر بہت سی وجوہ سے قائم تھی اگرچہ یہ زعامت وسرداری کامل نہیں تھی ؎

؎ اس زعامت وسرداری کے لئے خلافتِ کبریٰ کی ضرورت ہے اور قریش کو یہ حاصل نہیں تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور شمالی بلاد عرب میں یہودیوں نے سکونت اختیار کرلی تھی نیز حجاز میں بھی یہ یہودی آباد ہوگئے تھے۔ اور ان یہودیوں پر قریش کی تجارت وکاروبار کی وجہ سے ظاہری سطوت و قوت بھی قائم تھی۔ اور بالطبع یہ یہودی قریش کی طرف مائل تھے۔ کیونکہ یہود بھی تاجر پیشہ تھے اور یہ یہودی اپنے کو حضرت ابراہیم کی طرف منسوب کرتے تھے اور اس لئے وہ قریش سے محبت اس طرح کرتے تھے جس طرح قرابت نسبی کی کرتے ہیں۔

یہ مختصر حالات قریش کے بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر تھے جب حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم حسب وعدہ اقامت دین کے لئے مبعوث ہوئے تو آپ کو اپنے قلب کی شہادۃ اور قوم کی شہادہ کی بنا پر اس امر کا یقین تھا۔ یہ حالات قبل بعثت کے ہیں پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو آپ کا عزم پورا ہوا۔ جو ابتدائے عمر سے قصد و ارادہ تھا اس کو پورا کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پیشتر نہ نبوت کو جانتے تھے اور نہ یہ امید تھی کہ آپ کو نبوت ملے گی آپ کا یہ ارادہ تھا کہ تمام روئے زمین پر اپنے دادا ابراہیمؑ کی تعلیم کو عام اور زندہ کردیں۔ اور ان کی مسجد کی تعمیر کی جائے اور ساری دنیا کے لئے اسے قبلہ بنا دیں۔

یہ امور آپ کی فطرت وطبیعت کے اقتضا سے تھے جو وحی نازل ہونے سے پیشتر تھے۔ جب آپ پر وحی اتری تو آپ کے لئے اس ارادہ کی تکمیل آسان ہوگئی۔ اور سب سے پہلے اس کے لئے آپ نے ایک روداد در رپورٹ اور دستورالعمل سوچا تھا جو یہ تھا کہ سب سے پہلے اپنی قوم اور عرب قبائل جو حجاز اور اس کے اردگرد آباد ہیں۔ ان کی اصلاح کی جائے، یہ پہلی چیز تھی جو آپ کے نزدیک بہت اہم تھی پھر جب آپ اس سے فارغ ہوگئے اور آپ کو اپنی قوم میں قوۃ حاصل ہوگئی تو آپ نے ایک دوسری روداد اور رپوٹ اور دستورالعمل نظام بنایا۔ ان قوموں اور ان امتوں کے لئے جو قریب قریب تھے، پھر جو ان کے قریب تھے۔ تاکہ تمام اقطار زمین پر یہ عام جاری وساری ہو جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فصل

خصائل اربعہ - یعنی چار خصلتیں

اور امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طریقہ کو جس طرف وہ دعوت دے رہے ہیں اور جس کے ذریعہ جن کا تزکیہ کرنا چاہتے ہیں اس کے لئے انہوں نے چند اصول پیش کئے ہیں اور ان کا مرجع وہ چار خصلتوں کو قرار دیتے ہیں۔

پہلی طہارت یعنی پاکیزگی ہے۔ انسانی فطرت بعض چیزوں کو نجس و ناپاک سمجھتی ہے اور انسان پوری کوشش کرتا ہے اس سے اپنے کو بچاتا رہے۔ مثلاً پیشاب و پاخانہ وغیرہ جب یہ بات نفس انسانی میں متعذر اور ناپاک ہے تو یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنے جسم کو مطلخ اور ناپاک کرے۔ گو ایک لحظہ بھر کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔ جب یہ خصلت اس میں پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے لئے اس کی تکمیل آسان ہو جاتی ہے۔

جب کسی انسان کے نفس میں کوئی بات، کوئی فکر یا کوئی عادت راسخ ہو جاتی ہے تو اس کے قلب پر وہ اثر انداز ہوتی ہے۔ جس طرح کہ پیشاب اور پاخانہ کہ اس سے وہ نجس و ناپاک ہو جاتا ہے اور یہ اس کو نجس و ناپاک سمجھتا ہے۔ پورے عزم سے اس کے ازالہ کی کوشش کرتا ہے جس قدر بھی اس کے ازالہ میں دقت اور تکلیف ہو اس سے اس کے اندر زیادہ یہ خصلت راسخ ہوتی جاتی ہے تو یہ خصلت ربع دین یعنی ایک چوتھائی دین ہے۔

دوسری خصلت "اخبات" اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے آباؤ اجداد میں سے کسی کی بزرگی کا قائل ہوتا ہے یا کسی مرشد معلم کی عظمت کا قائل و معترف ہوتا ہے یا بادشاہوں یا امراء میں سے کسی کو صالح پاتا ہے اور اس کے قلب میں اس کی جگہ ہوتی ہے تو وہ نہایت خشوع و خضوع سے اس کے سامنے حاضر ہوتا ہے اور صمیم قلب سے اس سے محبت کرتا ہے اگر وہ اس کو کوئی حکم دیتا ہے تو پوری اطاعت و طاقت سے اس کی اتباع و پیروی کرتا ہے۔ اور محبت ایسی کرتا ہے کہ وہ اس کو کسی چیز کا حکم دے تو اس کے حکم کو محبت و گرویدگی سے بجا لاتا ہے اور اس کی نزدیکی سے اپنے دل میں عجیب و غریب لذت و سرور پاتا ہے اور یہ تمام باتیں فطرت انسانی میں داخل ہیں اور وہ اپنے نفس میں اپنے کو ایسا ہی پاتا ہے کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب کوئی آدمی قلب کی راہ نمائی سے یا صالح بندوں کے اشارہ سے ہدایت پالیتا ہے تو وہ اپنے قلب میں ایسا خضوع وخشوع پاتا ہے اوراس کے اندر تقرب الی اللہ بموز پاتا ہے ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو اس میں اس کا شریک نہیں پاتا اوراس خضوع وخشوع کے مقابلہ آباؤ اجداد مرشدین اور بادشاہوں کی کوئی قدر قیمت نہیں کرتا۔ اس خضوع وخشوع میں تمام کو عاجز پاتا ہے پس جب اس کا باپ کسی چیز کا حکم دیتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ خدا اس کے باپ سے محبت کرتا ہے۔ اس کی اطاعت کرتا ہے اور اس کو وہ اپنے پروردگار کی اطاعت سمجھتا ہے کیونکہ یہ تقرب پروردگار کا وسیلہ اور ذریعہ ہے

جب یہ فضیلت اس کے اندر راسخ ہوگئی اور ایک ملکہ بن گیا تو ہم کہتے ہیں اس کو رحمت اللہ حاصل ہوگیا اور ربع دین یعنی ایک چوتھائی دین اس کے اندر پیدا ہوگیا ۔

تیسری خصلت ۔ سماحت ہے انسان بہت سی چیزوں کو محبوب رکھتا ہے مثلاً طیب و عمدہ چیزیں کھانا، طیب وعمدہ پہننا، جمیل وخوبصورت مسکن ومکان کا ہونا، اسے پسند ومحبوب ہے۔ اور یہ اجتماع انسانی میں بھی محبوب ہے اور پھر اس کو یہ بھی محبوب ہے کہ عنداللہ وہ مقرب ہو ضروریات انسانی کی یہ مختصر سے مختصر تصویر ہے۔

جب ایک انسان کی طبیعت ایسی ہو کہ طیب عمدہ اور لذیذ کھانے کھائے تو وہ کھانا کھانے کے بعد بھی اسے فراموش نہیں کرتا۔ نیز یہ لذت دوسری باتوں میں مشغول ہونے سے روکتی ہے اور دوسری باتوں اور دوسری ضروریات سے مانع ہوتی ہے۔

ایک دوسرا آدمی اس کے خلاف ہے۔ جب وہ لذیذ کھانے کھاتا ہے اور اس کھانے سے لذت اندوز ہوتا ہے لیکن جب کھانے سے فراغت پاتا ہے تو اسے بھول جاتا ہے اور اس طرف غور بھی نہیں کرتا۔ یہ کھانا اسے دوسری چیزوں میں مشغول ہونے اور دوسری حاجتوں کی تکمیل سے مانع نہیں ہوتا۔ یہ آدمی مستحق ہے کہ اپنے اخلاق کی تکمیل کرلیوے اور وہ دوسرا آدمی اس کا مستحق نہیں ہے۔

ہم یہاں ایک اور مثال پیش کرتے ہیں ایک قوی نوجوان آدمی کسی نہایت خوبصورت عورت سے شادی کرلیتا ہے اور وہ اس سے انتہائی محبت رکھتا ہے۔ جب اس سے وہ ہمبستری کرتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو عجیب و غریب لذت پاتا ہے لیکن باوجود اس کے وہ ہمبستری سے فارغ ہوتا ہے، دوسری فکر دوسرے نظریئے پر غور کرنے اور دوسرے مسائل کے حل کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے اور جماع و ہمبستری کی لذت اسے یاد نہیں آتی۔ اس طرح جب وہ مسجد میں جاتا ہے اور اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے تو اسے جماع و ہمبستری کی لذت یاد نہیں آتی نہ اسے پروردگار کے ذکر اور عبادت سے روکتی ہے۔

جب کوئی انسان اپنی نفسیاتی حاجت میں مشغول ہو جاتا ہے اور کامل طریقہ پر مشغول ہوتا ہے لیکن اس سے فارغ ہو جاتا ہے تو حاجت کو بھول جاتا ہے اور ایسا بھول جاتا ہے کہ اس کی یاد اور فکر بھی نہیں کرتا۔ اس کی طبیعت مثل پانی کے ہوتی ہے جس کے اندر ہم اپنے ہاتھ کی انگلیاں ڈال لیتے ہیں تو پانی کے اندر ہم کو ایک وسیع خلا پاتے ہیں جب ہم اپنی انگلیاں اس سے کھینچ لیتے ہیں تو پانی اپنی حالت میں لوٹ آتا ہے کہ گویا اس میں کوئی چیز داخل ہی نہیں ہوئی۔

یہ وہ خلق ہے جس کا نام ہم "سماحت" رکھتے ہیں۔ یہ امام ولی اللہ کے اصول کے مطابق تیسرا ربع، یعنی تیسری چوتھائی ہے۔

خصلت چہارم، عدالت ہے "اجتماعیہ" انسانیہ میں بہت واضح اور روشن چیز ہے اجتماعیہ انسانی پر نظر کرنے والا کبھی اس کو بھولتا نہیں۔ جبکہ انسان طبعاً اجتماعی ہے اور سمجھتا ہے کہ اجتماع انسانی بغیر عدالت پایا ہی نہیں جاتا۔ انسانیت عدالت سے ہی آگے بڑھتی ہے اور انسانیت کے لئے لازم ہے جس آدم کو جس گھر کو۔ جس قبیلے یا جس امت و قوم کو قدر صالح عدالت حاصل نہیں ہے تو وہ انسان نہیں ہے۔ اس میں انسانیت ہی نہیں ہے۔

امام شاہ ولی اللہ کہتے ہیں جس انسان میں تین خصلتیں طہارت و پاکی اخبات اور سماحت موجود ہے اور عدالت اس میں مطلقاً نہیں ہے تو ان خصلتوں کا اعتبار نہیں ہے اس میں ذرہ برابر دین نہیں ہے اگرچہ ایسا فرض کرنا محال ہے کہ کسی آدمی میں طہارت، اخبات اور سماحت موجود ہو اور وہ عادل نہ ہو کیونکہ جس انسان میں یہ تین ۳ خصلتیں موجود ہوں وہ طبعاً عدالت سے مزین ہوتا ہے۔

ان چار خصلتوں کو امام شاہ ولی اللہؒ نے تمام مامورات کا مرجع قرار دیا ہے اور ان کی تمام اضداد کو منہیات شرعیہ کا مرجع گردانا ہے اور اس مقصد کی تشریح کے لئے حجۃ اللہ البالغہ کافی و وافی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب کوئی چیز بحث کے لئے باقی نہیں ہے سوا اس کے جس کو شیخ نے شعائر اللہ کی تعظیم کہا ہے۔

یہ چار خصلتیں ہیں اور تعظیم شعائر الہیہ، اور ان کے اضداد کو ترک کرنا شیخ نے دین الہی جس کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں خلاصہ قرار دیا ہے۔

ہمارے لئے سہل اور آسان تھا کہ ہم اس بارے میں حجۃ اللہ البالغہ کے چند اقتباسات املا کرا دیتے لیکن ہم اپنی طرف سے ان فضائل کی تشریح کر دیتے ہیں تاکہ اس زمانے کے لوگ اسے سمجھ سکیں۔

فصل
تعظیم شعائر الہیہ

تعظیم شعائر اللہ کی تشریح ہم مختصر طور پر بیان کر دیتے ہیں کہ تعظیم شعائر اللہ کسے کہتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ حکما الہیہ نے اپنے اجماع سے یہ معلوم کیا کہ اس عالم کا مؤثر و موجب اور مبدع خالق اللہ، اللہ، معبود حقیقی ہے اور اس تک لوگوں کی سمجھ رسائی نہیں کر سکتی۔ اس کے سمجھنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ اور اس بارے میں ان کی اصطلاحات اور طریقے مختلف ہیں۔ اجماعیین کی ایک جماعت تجلیات حق سبحانہ پر متفق ہوئی کہ جس طرح انسان دور سے کسی چیز کی طرف دیکھتا تو اس کی نگاہ نظارے کی حالت پر ہرگز نہیں ہوتی۔ وہ سمجھتا ہے بعینہٖ اسی چیز کو دیکھتا ہے۔ اسی طرح جب ہم مختلف شانہائے خداوندی کو دیکھنا چاہیں۔ تو مختلف شانوں میں سے کسی شان کی طرف دیکھتے ہیں۔ تو اس کی بعض مخلوقات کو ہم اس شان کی رویت کا نظارہ گردانتے ہیں۔ اسی کا نام "تجلی" ہے اس بارے میں شاہ امام شہید اور ان کے دادا امام شاہ ولی اللہ نے "العبقات" میں کافی روشنی ڈالی ہے۔ کافی بحث کی ہے اور العبقات امام شاہ ولی اللہ کی کتابوں کا قریب ترین مقدمہ سمجھنا چاہیئے۔

تمام انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے پروردگار کی معرفت میں انہیں تجلیات پر اعتماد کیا ہے اور وہ تجلی جو عرش عظیم پر مستوی اور محیط ہے اس کا نام انہوں نے "الرحمٰن" رکھا ہے اور یہ آخری چیز ہے جس کی طرف ارتقاء و بلندی حاصل کر سکتا ہے[1] جب انسان کے نزدیک یہ ثابت

[1] اگلے صفحہ پر:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو گیا کہ یہ "تجلی الٰہی" ہے تو اس پر واجب ہے کہ اس "تجلی" کا وہ انتہائی احترام کرے اور اس کے امکان میں ہے وہ تعظیم بجا لائے۔ اس تعظیم و احترام کا جاننے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے کیونکہ ان تمام کا رابطہ مثل نظارہ کے ہے۔ نہ اس کی طرف التفات کرنے کے مثل ہے۔ جب ہم اس کی طرف التفات کریں تو اس کا نام ہم شعائر رکھتے ہیں اور عدم التفات کے وقت اس کا نام تجلی رکھتے ہیں

پس جو شعائر الٰہیہ کہ انسان کے نزدیک ثابت ہو جائیں کہ وہ شعائر الٰہیہ ہیں ان کی تعظیم و احترام اعظم ترین ایمان کا جزء ہے اور وہ بلا واسطہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے قریب کر دیتا ہے اور انسان کے قلب میں ایک جبلی قوۃ ہے جس سے وہ لذت اندوز ہوتا ہے کہ وہ اللہ اور اللہؐ سے بلا واسطہ لذت اٹھاتا ہے۔ لہ

یہ چار خصلتیں انسان کو درجہ کمال تک پہنچا دیتی ہیں اور اس کو ان ملائکہ اور فرشتوں کی مانند بنا دیتی ہیں جو عنداللہ مقرب ہیں۔ امام شاہ ولی اللہؒ نے اس کو مختصر کر دیا ہے اور دو ہی کلموں سے اس کی تعبیر کر دی۔ ایک جبروت کی اطلاع، دوسرا ملکوت و ملائکہ سے مشابہت۔ امام شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک یہ انسان کا منتہائے کمال ہے اور یہ تمام باتیں انسان پر باقتضاء لطائف خفیہ اور قوائے مقدسہ جو حسب فطرۃ انسان کی جبلت میں ہے واجب ہے۔

پس تعلیم دین کی مثال مثل ایک نوجوان کی ہے۔ جو کسی عورت سے جو اجتماع انسانی میں محبوب ہے اس کا احترام و اکرام کرتا ہے اس سے شادی کر لیوے اگر اس نوجوان میں قوت رجلیہ اور طاقت مردمی سرے سے موجود ہی نہیں ہے تو اس کو نکاح و شادی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اگر اس نوجوان کو تکمیل شہوت کے لئے فطرۃ کے حوالے کر دیا جائے تو بسا اوقات وہ ایسی ناجائز حرکتیں اور سفیہانہ باتیں کر گزرتا ہے جو اجتماع انسانی میں احمقانہ کام سمجھے جاتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اصلاح حال پر غور ہی نہیں کرتا۔

لہ یعنی پروردگار کی معرفت یہی ہے پھر اس تجلی اعظم سے جو عرش اعظم پر محیط و مستوی ہے کچھ تجلیات آسمانوں اور زمین پر نازل ہوتی رہتی ہیں۔

۵۲ اس سے زیادہ انسان کا کوئی مقصد نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر اس کا باپ اپنے تجربات اور عادات اور مقتضیات اجتماع کو مستحسن طریقوں پورا کرتا ہے اور اپنے نوجوان بیٹے کی اعانت وامداد کرتا ہے تو یہ فطرۃ انسانی کی تکمیل ہے۔

جب اس نوجوان کو اس کا باپ نکاح کے بارے میں مفید مشورہ دیتا ہے جس سے یہ نوجوان مستفید ہوتا ہے اور اس بارے میں انبیائے کرام کے نصائح پیش کرتا ہے تو حکیم کی نظر میں دونوں کا معاملہ واحد ہے۔

یہ بحث طریق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہدایت قوم اور ان کے تزکیہ کی ایک تمہید ہے کہ تمام امت جو زمین پر آباد ہے اور دوسری امتیں اس کو ذریعہ ہدایت گردانیں۔

پس ہم اس کی بعض آیتوں کو فقط قریش کے لئے تکمیل ہدایت گردانتے ہیں اور بعض دوسری آیتوں کو ہدایت اہم کا طریقہ گردانتے ہیں۔

فصل

انسان کیا ہے؟

اس سے قبل ہم نے "عدالت" کے بارے میں کچھ کلام کیا ہے۔ لیکن اس کی شرح وتوضیح میں ہم نے اختصار سے کام لیا ہے اور بطور اجمال ہم نے کچھ لکھ دیا ہے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ یہاں ہم اس کی حقیقت کی کچھ اور تشریح وتوضیح کر دیں۔

اس سے قبل یہ بات گذر چکی ہے کہ انسان کیا ہے؟ ایک گروہ علماء نے انسان کی تعریف یہ کی ہے کہ "انسان حیوان ناطق" ہے۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ انسان ایک متفکر ہے۔ اس کے پاس جو افکار ہیں ان کی تنظیم کرتا ہے اور مختلف فنون کے جو افکار اس کے پاس موجود ہیں۔ ان کی تقسیم اور تعبیر فصیح کلام میں کر سکتا ہے۔

دوسرا گروہ انسان کی تعریف یہ کرتا ہے کہ انسان "ایک حیوان" ہے جو آلات کو استعمال کرتا ہے اگلی فصلوں میں ہم نے پہلے معنے کے رو سے تشریح کی ہے اور اس فصل میں ہم دوسرے معنی کی رو سے بحث کریں گے۔ انسان دوسرے حیوانات کی طرح اپنی غذا اور خوراک اور دوسری اشیا کا جس کو قدرت الٰہی نے پیدا کیا ہے محتاج ہے۔ جس میں انسانی عمل کو کوئی دخل نہیں ہے۔ انسان لذیذ فواکہ، مزیدار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میوے کھاتا ہے ٹھنڈا صاف پانی پیتا ہے۔ ان کی پیداوار میں اس کی قوت و علم کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اس بارے میں انسان دوسرے حیوانات کے مانند ہے۔ اس کے بعد وہ ایسی چند چیزیں پاتا ہے جس کو وہ اپنے ہاتھوں سے انجام دینا چاہتا ہے لیکن وہ ان تک اور ان کے قوائے طبعیہ تک پہنچ نہیں پاتا۔ تو وہ ان اشیا مخلوقہ قدرتی و ان اشیاء مطلوبہ تک پہنچنے کا ذریعے گردانتا ہے۔ یہی معنی ہیں استعمال آلات کے۔ مثلاً ایک درخت پر پھل لگے ہوئے ہیں۔ لیکن ان تک ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ اور وہ اس درخت پر چڑھ بھی نہیں سکتا تو وہ زمین سے پتھر اٹھاتا ہے اور درخت پر پھینکتا ہے اور پھل گرانے میں مدد لیتا ہے اگر پتھر نہیں پاتا تو درخت کی ایک ڈالی توڑ لیتا ہے اور اس سے پھل گراتا ہے تاکہ وہ کھائے۔ یہی وہ استعمال آلات ہے کہ انسان اپنی ضروریات کے لئے آلات استعمال کرتا ہے۔

پس انسان کو روزانہ اپنی حاجات اور ضروریات کے لئے ہمیشہ جدید آلات کی ضرورت ہوتی ہے اور ان ضروریات و احتیاجات تک پہنچنے کے لئے ہمیشہ جدید آلات اور ان کے اختراع میں غور و فکر کرتا رہتا ہے اور غور و تدبر کے ذریعہ وہ راہ نمائی پاتا ہے اگرچہ وہ ایک مدت مدید اور سخت ترین جدوجہد اور انتہائی تعب و مشقت کے بعد ان تک رسائی کر پاتا ہے اور ہر وہ شخص جو جدید آلات کے اختراع اور اس کے بنانے پر قدرت رکھتا ہے وہ غنی ہے۔ اور جس کے پاس یہ نہیں ہے وہ فقیر ہے۔

قوی، طاقتور حیوانات جیسے کہ ہاتھی شیر وغیرہ تو یہ اپنے مطلوب کو قوت طبعیہ کے زور سے حاصل کر لیتے ہیں۔ اور انسان چونکہ ضعیف اور کمزور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایجادات آلات کا الہام والقاء کیا ہے کہ ان آلات کے ذریعہ وہ اپنے مطلوبات کی تحصیل میں مدد لیویں اور آسانی سے مطلوبات حاصل کر سکیں اور ادنی سے ادنیٰ توجہ اور کم از کم قوت خرچ کرکے جو قوی حیوانات مثلاً ہاتھی اور شیر وغیرہ قوت طبعیہ سے حاصل کر لیتے ہیں۔ انسان آسانی سے حاصل کر سکے پس اشیاء طبعیہ کی تحصیل جو ادنیٰ توجہ اور کم سے کم قوت اور مدت خرچ کئے بغیر بذریعہ آلات ہو اس کا نام امام شاہ ولی اللہؒ نے "ارتفاق" رکھا ہے۔

اور قوہ انسانی حیوانی جو نظریات ملکیہ سے متاثر ہے اس کا نام ہمارے نزدیک عقل ہے۔ کیونکہ جو ان حیوانات میں ہیں وہی بعینہ انسانی میں ہیں۔ اور جب حواس حیوانی میں قوت ملکیہ سے نور اترتا ہے تو حواس حیوانی کو وہ ممتاز اور الگ کر دیتا ہے یہی انسانی عقل ہے اور قوائے حیوانیہ سے بلند و برتر ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان ان قویٰ سے اختراعات کرتا ہے آلات وغیرہ بناتا ہے اور اس کے لئے لمبے اوقات اور زمانہ حصول مطلوب کے لیئے خرچ کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے اگر یہ اس کے پاس نہ ہوں تو یہ اپنے مطلوب کو حاصل نہیں کرسکتا تھا۔

پس انسان بالطبع مسکین، فقیر اور بے بس ہے۔ کسی غنی اور مالدار کا محتاج ہے کہ اس سے جس طرح چاہے خدمت لیتا رہے اور اس کو چاہیئے کہ اس کی قوت وطاقت کو استعمال آلات میں صرف کرلے اور اس کو منافع میں شریک کرلیوے۔

اگر کوئی انسان قوی ہے تو بادشاہ بن جاتا ہے اگرچہ اس کی قوت مسکین وفقیر کے مساوی ہے یہ آدمی مدنی الطبع ہوتا ہے اور لوگوں سے مشورے لیتا ہے اور اپنی ریاست ان کے اندر جاری کرتا ہے یہ ارتفاقات ایک تمثیل ہے اور کتاب "حجۃ البالغہ" میں اس کے لئے ایک مخصوص باب ہے جس میں ارتفاقات کی تعبیر وتشریح کی گئی ہے۔ اور اس کو امام ولی اللہ نے چند فصلوں میں تقسیم کیا ہے "ارتفاق اول" اس ارتفاق سے کوئی انسان خالی نہیں ہے۔ "ارتفاق دوم" آداب معاش اور معاشرت میں ہے۔ "ارتفاق سوم" تدبیر منزل میں ہے "ارتفاق چہارم" معاملات میں ہے "ارتفاق پنجم" سیاست مدنیۃ اور "ارتفاق ششم" سیاست مدن یعنی شہروں کی سیاست اور سیاست مدن مختلف ہے اس کا نام امام ولی اللہ نے خلافت رکھا ہے۔

انسان اس پر اکتفا نہیں کرتا حتیٰ کہ اس کے ساتھ "خلافت کبریٰ" کو بھی ملا لیتا ہے کہ لوگوں کی کوئی جماعت اس کی مخالفت نہ کرسکے اور یہ استعمال آلات کی تکمیل ہے۔

فصل

حضرت امام شاہ "ولی اللہ" نے ماتقدم کو فطرۃ انسانی کا اقتضاء گردانا ہے کیونکہ یہ انسانیت کے لئے خارج سے لازم نہیں ہوا کرتا۔ امام شاہ ولی اللہ کہتے ہیں "اگر انسان کسی بادیہ اور صحرا میں جو شہروں اور آبادیوں سے بہت دور ہے، رہتا ہے اور کسی سے کچھ حاصل نہیں کرسکتا تب بھی اسے ایسی ضرورتیں لاحق ہوتی رہتی ہیں۔ اس کو بھوک لگتی ہے۔ اس میں جماع وہمبستری کی خواہش ہوتی ہے اور لامحالہ وہ عورت کا خواہشمند ہوتا ہے۔ اور صحت مزاج اور تندرستی ہے تو ان میاں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیوی کے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ اور اس طرح ایک گھرانہ بن جاتا ہے ان میں آپس میں معاملات ہوتے ہیں۔ ان میں ضروری ہے کہ کوئی شخص اخلاق فاضلہ کا حامل اور مالک ہو۔ ایسے واقعات اور معاملات اسے پیش آتے ہیں کہ جس سے سارے ارتفاقات ضروری ہو جاتے ہیں۔" انتہی [1]

اور اس سے اس کے اندر ملوکیہ پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ عدالت کا نظام قائم کر سکیں۔ اور جب بہت سی امتیں پیدا ہو جاتی ہیں تو ان کے اندر خلافت رونما ہوتی ہے اور یہ نوع انسانی کی تقصنلہ ہے۔

انسان جبروت وملکوت۔ تشبہ اور تکمیل ارتفاقات کے مطالعہ کا جامع ہے اور انبیاء کرام جس طرح لوگوں کو اللہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ اور شعائر اللہ کی عظمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ اسی طرح اخلاق فاضلہ کی بھی تعلیم دیتے ہیں جن کا نفع خاص ان کی ذات کے لئے نہیں ہوتا۔ بلکہ ساری نوع انسانی کے لئے ہوتا ہے۔ اور نوع انسانی اسی طرح ان سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ جس طرح جماعت کا ہر فرد فائدہ اٹھاتا ہے کیونکہ یہ ملائکہ کے اخلاق ہیں۔

اسی طرح انبیاء کرام ان کو ارتفاقات کی تعلیم دیتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو پیدا کیا ہے اپنی قوت صرف کرکے اس کی تعلیم دیتے ہیں اور اس کی کیفیت بتاتے ہیں اس سے بے شمار فائدے انہیں حاصل ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح ملائکہ بنی آدم کے اعمال سے خوش ہوتے ہیں اور ان پر تعجب کرتے ہیں۔

یہ تین امور ہیں جن میں سے کسی ایک سے بھی کوئی ایک شریعت شرائع انبیاء سے غافل اور بے خبر نہیں ہے

فصل

دوسرے فوائد

جب چند چیزیں باہم مرتب ہوتی ہیں تو قربت کا اثر ہوتا ہے کہ مرتب اشیاء بر حسب استعداد

---

[1] باب ارتفاق الناس اور ارتفاق کے اصول۔ "حجۃ اللہ البالغہ" ملاحظہ فرمائیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا اثر ضرور پڑتا ہے ۔ اس کی مثال ملاحظہ کیجئے ہم چند شیشے مرتب کرتے ہیں اور ایک شمع ان کے سامنے جلا دیتے ہیں ۔ تو شمع کا یہ شعلہ تمام شیشوں میں نظر آتا ہے اور تمام شیشوں میں ظاہر اور نمودار ہوتا ہے ۔ جیسا شیشہ ویسا شعلہ نظر آتا ہے لیکن جیسا شیشہ ہوتا ہے ویسا ہی شعلہ کا رنگ ہوتا ہے اور شعلے کا رنگ مختلف ہوتا ہے مگر ایک حکیم یہی حکم کرتا ہے کہ وہ اسی شمع کا شعلہ ہے دوسرا شعلہ نہیں ہے یہی حال انسان کا ہے اور ادنی سے ادنی انسان کا درجہ یہ ہے کہ جو جسم مرنے کے بعد مٹی میں دفن کیا جاتا ہے یا جلا دیا جاتا ہے ۔

دوسرا جزء انسان کا وہ روح طبعی ہے جو سارے جسم انسانی کے اندر سرایت سکئے ہوئے اور تمام قوائے انسانی کی حامل ہے اور اس روح کی شکل اس جسم کی ہے ۔ جو قوائے نورانیہ سے منجمد ہے یہی روئی شکل جسم کے لئے تمثال ہے گویا وہی انسان ہے اور دنیا میں انسان کا مصداق یہی جسم ہے مگر مرنے کے بعد انسان کا مصداق روح طبعی ہے ۔ جس کو "نسمہ" کہتے ہیں اور یہ روح تمام حیوانات میں مشترک ہے ۔

تیسرا جزء انسان کا نفس ناطقہ ہے اور یہ ایک روحانی نورانی شی ہے اور یہ صورت انسان کے عکسوں میں سے ایک عکس ہے ۔ جو عرش کے نیچے طبقۂ عالیہ کے اندر بصورت مثال موجود ہے اس کا عکس قرطاس عالم مثال میں موجود ہے ۔ اور اس کی صورت نوع انسانی کے سامنے ایک عکس کی ہے اور یہ عکس "نسمہ" کے ساتھ متحد ہے اور نسمہ انسانیت حیوانیہ سے ممتاز ہے اور وہ صورت انسانیہ جو نفس ناطقہ کا اثر و تاثیر ہے الگ ہے اور جہنم اور جنت میں یہی دو چیزیں یعنی "نسمہ" اور نفس ناطقہ موجود ہوتے ہیں اور ان کا موجود ہونا ضروری ہے ۔

جب انسانیت اس سے زیادہ مدارج طے کرے اور زیادہ منازل ارتقاطے کرلیوے کہ جنت سے ماورا اور بلند درجہ ہے ۔ وہاں تک ترقی کرلیوے کہ وہاں "نسمہ" کی رسائی ناممکن ہے تو اس وقت یہاں انسان کا مصداق صرف "نفس ناطقہ" ہوتا ہے ۔

جزء چہارم انسان کا روح ملکوتی یا روح الٰہی ہے اس کا تعین قرطاس ملائکہ سے ہوتا ہے ۔ اس میں تجلی اعظم منطبع ہوتی ہے اور یہ نفس، نفس ناطقہ سے متحد ہوتا ہے اور اسی طرح متحد ہوتا ہے جس طرح نسمہ نفس ناطقہ سے متحد ہوتا ہے ۔ جب کوئی انسان کچھ درجات جنت عالیہ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جانب ترقی کرتا ہے تو نفس ناطقہ رُوح الٰہی کی رفاقت کرتا ہے اور یہ رفاقت رُوح الٰہی اور نفس ناطقہ کی طرح واجب اور ضروری ہے جب اس اعلیٰ ارفع درجے کو انسان پہنچتا ہے تو وہاں نفس ناطقہ نہیں پہنچ سکتا۔ تو اس وقت انسان کا مصداق روح الٰہی یا رُوح ملکوتی ہوتا ہے۔

فصل
جسم، نسمہ، یا رُوح طبعی، نفس ناطقہ اور رُوح ملکوتی

جسم اور نسمہ اور روح طبعی اور نفس ناطقہ اور رُوح ملکوتی یہ چار اجزاء باہم مترتب اور متناسق ہیں۔ تو وہ چیز روح الٰہی یا رُوح ملکوتی میں پائی جاتی ہے وہ نفس ناطقہ میں اس کے مزاج کے موافق پائی جاتی ہے اور نسمہ میں بھی اس کی طبیعت کے موافق پائی جاتی ہے اور جسم کے اندر بھی اس کی استعداد کے موافق پائی جاتی ہے۔ [1]

تو اگرچہ یہاں صورتیں مختلف ہیں اور تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن ایک حکیم کی نظر میں وہ ایک ہی چیز ہے۔ پس انوار الٰہی پہلے رُوح ملکوتی پر ظاہر و نمایاں ہوتے ہیں اور بقیہ ہر سہ درجات کی طرف اترتے ہیں۔ پھر جیسے اس کے اعمال حسب اعمال وہ رجوع اور نازل ہوتے ہیں۔ اور حسب نزول رُوح الٰہی ان درجات پر نازل ہوتے ہیں اور یہ فطرہ انسانیہ ہے جس پر انسان فطور ہے۔

پس احسن اور بہتر ارتفاق وہ ہے جس کا رُخ روح الٰہی کی طرف ہو۔ اور فاسد اور بدتر ارتفاق وہ ہے جو اس سے مستفید نہ ہو۔ سوائے جسم انسانی اور نفس ناطقہ کے کسی نے اسے قبول و منظور بدر نہ کیا ہو۔ اور اگر نسمہ نے قبول و منظور کیا ہے تو نفس ناطقہ اسے قبول و منظور نہ کیا ہو۔ تو پہلے سے یہ اچھا ہے کہ نفس ناطقہ نے تو اسے قبول و منظور کر لیا۔ لیکن نفس ملکوتی نے قبول و منظور نہیں کیا۔ تو وہ اچھا ہوگا جس کو صرف نسمہ نے قبول کیا ہے اور جس نے رُوح ملکوتی کو قبول کر لیا جس کا دوام و بقاء روح کے دوام و بقا سے وابستہ ہے تو اسے لذت و سرور پورا پورا کافی و دوامی حاصل ہوگا۔ جو

---

[1] جس طرح شمع کے ساتھ ان شیشوں میں ان کے طبائع کے موافق ظاہر و نمایاں ہوتی ہیں۔
ابوالعلاء محمد اسمٰعیل کان اللہ لہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسروں کو حاصل و میسر نہیں ہے ۔

پس جب انسان جب اپنے ارتقاء طبعی کے مطابق بذریعہ اخلاق اربعہ مہذب و شائستہ ہو جائے اور نفس ناطقہ شعائر الٰہیہ کی عظمت و توقیر کرے تو اس کی انسانیت کامل و اکمل ہے ۔

پس ہمارا قول کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے لئے ہادی و مزکی اور پاک کرنے والے تھے اس کے معنی یہی ہیں کہ ان کو اپنے ارتفاق صالح کی ہدایت فرمائی۔ اور ان کو اخلاق اربعہ سے متخلق و موصوف کر دیا اور شعائر الٰہیہ کے واسطے سے ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھا اور اس کی طرف متوجہ ہوئے ۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو ہدایت کی اور ان کا پورا پورا تزکیہ کر دیا تو حکم دیا کہ یہ قوم کرۂ ارض کی ساری امتوں اور ساری قوموں کو اس تعلیم و تہذیب کی طرف دعوت دیں اور آسانی سے ان کو اس طرف بلائیں۔ یعنی ہر قوم اور امت آسانی اور سہولت سے اس طریق ہدایت پر چلنے لگے ۔

پس جب یہ ہو گیا اور یہاں تک آپ انجام دے چکے تو آپ نے "خلافت کبریٰ" قائم کی۔ اور احسن و بہترین خلافت وہ ہو گی جس کی اساس و تعمیر اساس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم ہو۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر بن الخطابؓ کی خلافت ۔

پس جس مقدس زمین کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو نورِ حنیفہ سے کیا تھا۔ ان حضرات نے تین۳ مسجدوں کی یعنی دو مسجدیں حضرت ابراہیمؑ کی اور ایک مسجد آپؐ کی ان تین مسجدوں کو اس تعلیم و ہدایت کا مرکز گردانا۔ اور دو بڑی شہنشاہتوں یعنی کسریٰ اور قیصر کی شہنشاہتوں کو اپنے اپنے شانے جھکالیا۔ کہ یہ اس دینِ حنیف کو قبول کر لیں اور اس کی ہدایت پر چلیں اور افرادِ اجتماعیہ اسلام کا ایک فرد بن جائیں۔ یا جزیہ قبول کر کے شعائرِ اسلامیہ کی عظمت قبول کر لیں۔ یہ انسانیت کے سامنے ایک زبردست اور مقدس مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے عزم و ارادہ میں برکت عطا فرمائی۔ آپ کی قوم اس خلافت کو پانچ سو۵۰۰ سال نہایت خوبی سے چلاتی رہی۔ اور پانچ سو۵ سال کے بعد اس خلافت کو دوسری اسلامی امتوں نے چلائی ۔

یہ ایک واضح اور روشن دلیل ہے اس امر کی رسول اللہ صلی اللہ نے اپنی قوم کی حکومت کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارادہ اسی وقت کیا جبکہ وہ اس دین حنیف پر قائم ہو جائیں۔

پس شرائع دین نبوی ایام خلافت قوم میں بھی معمول بہا تھیں اور دوسری خلافتوں میں بھی معمول بہا تھیں چنانچہ سورۂ جمعہ کے اندر ہے۔

هوالذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة (جمعہ ع ۱)

وہ خدا ہی تو ہے جس نے عرب کے جاہلوں میں ان ہی میں سے محمد کو پیغمبر بنا کر بھیجا کہ وہ ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائیں اور ان کو پاک وصاف کرنے اور ان کو آیات الٰہی اور عقل کی باتیں سکھائیں۔

اس کے بعد خدا نے فرمایا

وآخرین منهم لما یلحقوا بهم (جمعہ ع ۱)

نیز خدا نے ان پیغمبر کو ان لوگوں کی طرف بھیجا ہے جو ابھی تک عرب مسلمانوں میں شامل نہیں ہوئے ہیں۔

اس آیت سے مراد وہ امتیں ہیں جو بعد میں اسلام میں داخل ہیں اور وہ فارس وایران اور روم، ہندوستان اور ترک وغیرہ ہیں۔ ان لوگوں نے بڑی بڑی شہنشاہتیں زمین کے مختلف گوشوں میں اقامت دین کے لئے قائم کیں، جب کبھی نظام انسانیت ارتقاق کی رُو سے تبدیل ہوا تو حسب اجتماع انسانیت صورت حکومت تبدیل ہوتی رہی۔

جب ایک ہزار سال کے بعد لوگ تبدیل ہو گئے اور جو پہلی ہزار صدی میں تھا وہ باقی نہ رہا اور عظماء ملت، زعماء اسلام ان کے منہج کی تبدیلی اور ترقی وعظمت کے تحفظ سے قاصر اور عاجز ہو گئے اور ایسے گرے کہ جس کی انتہاء نہیں جیسے کہ تم آج دیکھ رہے ہو۔

الحمد للہ کہ اللہ کی توفیق نے ہماری رفاقت کی اور اصول امام ولی اللہ دہلویؒ" کے مطابق فقہہ دین حاصل کیا۔ اس سے ہم سمجھ گئے کہ درحقیقت خطا ہماری ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے بری اور پاک وصاف ہیں۔

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین

آمین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الفاتحہ ام الکتاب
العالمین کے معنی

(الحمد للہ رب العالمین)

العالمین : سارے عالم ۔ یعنی انسانوں کی تمام قومیں ۔ اور اس کی تمام امتیں ، قرآن کہتا ہے

انی فضلتکم علی العالمین میں نے تمہاری ہمعصر قوموں میں تم کو فضیلت دی

اور العالم کے دوسرے معنی بھی آتے ہیں ۔ نیز اس کا اطلاق مخلوق ما سوی اللہ پر بھی ہوتا ہے نیز مخلوقات کی ایک جنس پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور عام علماء کو یہ پسند ہے کہ وہ عمومی معنی کو لیویں ۔ یعنی وہ معنی جو ساری کائنات خداوندی پر حاوی ہو کیونکہ پروردگار کی حمد و ثنا ان کمالات کی وجہ سے ہے جو ساری کائنات اور ساری مخلوق پر حاوی ہے اور تمام مخلوق اس کے دائرہ میں آجاتی ہے اور یہی حمد مکمل و اکمل حمد ہے ۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ "العالمین" سے مراد فقط اقوام و امم ہیں کیونکہ یہ سورۃ قرآن عظیم کا خلاصہ ہے جس کی وحی حضرت محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر کی گئی ہے اور یہ ظاہر ہے آپ کی نبوت کا موضوع اجتماعیہ انسانی کے سوا دوسرا نہیں تھا ۔ اور یہی وجہ ہے جہاں متعلقات انسانیہ کا ذکر آتا ہے مثلاً آسمانوں اور زمینوں ، اور جنات ، ملائکہ ، جنت و دوزخ وغیرہ کا تو ، یہ بالتبع آتا ہے اور مقصد یہی ہے کہ اجتماعیہ انسانیہ کی تکمیل کی جائے ۔ ان تمام کا ذکر اجتماعیہ انسانیہ کی تکمیل کی غرض سے کیا گیا ہے اور یہی تمام نبوتوں کا عام مقصد ہے ۔

لیکن ہمارے پیغمبر خاتم النبیین کا مقصد تھا کہ تمام امتوں میں فطرۃ انسانی کا نظام قائم کیا جائے اور اس نظام کی پوری تکمیل کردی جائے اور اس کے لئے ایک زبردست تحریک چلائی جائے ۔

جبکہ قرآن کا موضوع ، اجتماعیہ انسانیہ ہے بالمقابل اور بالنظر الی جامعیہ اقوام و امم کے تو پر وہ سورۃ جو اجمالاً مقاصد قرآن کی جامع ہے تو اس میں جب 'العالمین' کا ذکر ہو تو اس کے معنی امم و اقوام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی کے ہوں گے۔

ابتداء قرآن میں جو سورۃ سب سے پہلے نازل ہوئی وہ "اقراء" ہے اس کا مقصد و غرض یہی ہے کہ آپ نبوت کا افتتاح کریں۔ جس کا مرجع اور مقصد ہے کہ آپ سب سے پہلے قریش اور اولاً قریش کی اصلاح کریں۔ اور اس لئے قرآن کی ابتداء " اقراء باسم ربك" سے کی گئی ہے کیونکہ انسانی قوم کو علاقہ طبعیہ اور "انشعاب طبعیہ" اور سلسلہ آباؤ اجداد اور سلسلہ امہات ہی سے پہنچتا ہے اگر ایک انسان جس کو نسب اور خاندان یاد ہے اور شجرہ نسب اس کے پاس محفوظ ہے تو اکثر افراد امت کو اپنے ہی عائلہ اور اپنے ہی قبیلہ سے پائے گا۔

پس جبکہ انسانی معرفت کا دارو مدار قوم کی معرفت ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ قوم ہی اس کا مدار علیہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کا افتتاح اس طرح کیا۔

اقراء باسم ربك — اپنے رب کے نام سے پڑھیئے۔

اور بعثت نبویہ کا تمام امتوں اور تمام اقوام کو ملت ابراہیمیؑ کے ماتحت گردانتا ہے یہ درجہ ثانیہ ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ کا افتتاح اس قول سے کیا ہے الحمد للہ رب العالمین کہ (تمام امتوں اور تمام قوموں کا پروردگار اللہ ہی ہے)۔

پس یہ سورۃ اشارہ کرتی ہے کہ درجہ ثانیہ نبوت جو مقصود بعثت نبوت۔ مقدمہ "مصحف" یعنی قرآن مجید کا مقدمہ قرار دیا جائے۔

یہ اسی طرف اشارہ ہے کہ یہ سورۃ بہت بلند اور اعظم ترین سورۃ ہے اور یہی مقصد نبوت ہے اور سورۂ اقراء کو آخر مصحف، یعنی آخر قرآن مجید میں رکھنا یہ اشارہ اس طرف ہے کہ درجۂ اولیٰ وسیلہ اور ذریعہ ہے درجہ دوم تک چڑھنے کا، اس کے سوا اور کوئی معنی نہیں ہیں۔

اس بناء پر بھی یہی مناسب ہے کہ اسلام کا عنوان عالمیہ انسانی ہی ہو، اور اسی کی تحریک جاری کرنا قرار دیا جائے اور تحریک عربیہ کو تحریک عالمیہ کی مبادیات سمجھا جائے۔

مرکز عالمیہ حضرت ابراہیم سے قائم ہوا

عام مؤرخین "تحریک عالمیہ" کو اسکندر مقدونی کی طرف منسوب کرتے ہیں یا بعض دوسرے اشخاص کی طرف منسوب کرتے ہیں جو اس سے پہلے گزرے ہیں لیکن صحیح تحقیق ہمارے نزدیک یہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ اس تحریک کی ابتداء حضرت ابراہیمؑ ہی سے ہوئی ہے کیونکہ خدا نے ان کو لوگوں کا امام گردانا ہے اور ان کی اولاد اس امامت کی توسیع کے لئے کوشش کرتی رہی ہے کہ دنیا جہان کی امتوں کو اپنے دین میں داخل کرلیں اس سے ثابت ہوتا ہے اور بلاشک ثابت ہوتا ہے کہ یہی ایک عالمی تحریک تھی کچھ لوگ تحریک دینیہ اور تحریک سیاسیہ میں فرق کرتے ہیں اور تحریک دینی کو ایک خیالی تحریک سمجھتے ہیں اور تحریک سیاسی کو مبنی بر حقائق اور مبنی بر واقعات سمجھتے ہیں جب یہ لوگ تحریک عالمیہ کا مبداء اور اس کے مؤسس کا نام سنتے ہیں کہ یہ حضرت ابراہیمؑ ہیں، تو قطعاً اس تحریک کی طرف توجہ نہیں کرتے کیونکہ آپ کی تحریک کو ایک مذہبی و دینی تحریک تبلاتے ہیں [1]

---

[1] دین و مذہب کو سیاست سے علیحدہ کرنا فطری قوانین کے نفاذ و اجراء، بہترین اصول کی ترویج، اور انسانی اجتماع و اتحاد کی تباہی و بربادی ہے اور اس بارے میں اسلام کا مطمح نظر جارحانہ ہے۔ یہ ایک تصور ہے، جس سے اسلامی فکر کبھی دست بردار نہیں ہوسکتی۔

دنیا کی وہ قوتیں جو اسلامی اقتدار کی جولان گاہ میں زمانہ جاہلیہ کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اور ہر قسم کی برائیوں کے بقاء کے لئے کوشش کرتی ہیں۔ برسوں سے اس فکر میں لگی ہوئی ہیں کہ اسلام کے شیریں چشموں میں زہر گھول کر دنیا کو پلائیں۔ وہ خود تو حکومت کلیسا سے حقیقی معنی میں آج تک دست بردار نہیں ہوئیں لیکن مسلمانوں کے دماغوں میں دین و دنیا کی علیحدگی کا خیال ٹھونس کر مصر ہیں کہ دین اور سیاست دو جداگانہ چیزیں ہیں۔

امریکہ اور انگلستان اور روم کا کلیسا ایشیا اور افریقہ تک حکومتوں نے سیاسی میدان تیار کر رہے ہیں لیکن مسلمانوں کی سیاسی پرواز اور ہمہ گیر پیشقدمی کو مضمحل اور بیکار کرنے کے لئے حکومت اور مذہب، دین اور سیاست کی مستقل بحثیں پیدا کر کے اپنا نام کرنا اور کام نکالنا چاہتی ہیں۔

صدیوں سے اسلام اور مسلمانوں کو چیلنج دیا جاتا ہے، اس چیلنج کو قبول کرلینا چاہیئے، اس بحث کی تمام الجھنوں کا ہمارے پاس ایک نہایت سلجھا ہوا جواب ہے اور وہ یہ کہ اسلام ایک آزاد طاقت ہے جو حکومت پر حاوی ہے، پیغمبر اسلام کو ہم ساری دنیا کا سردار اور اول درجہ کا قائد اعظم تسلیم کرتے ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان زندگی سے ہم نے حکومت وسیاست کا سبق حاصل کیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور دینی وسیاسی تحریک کی تفریق دورِ حاضر کی ذہنیت ہے جو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے تفریق کا قول کسی بنا پر قائم نہیں ہے اور یہ دونوں طرف کی غلطی ہو رہی ہے۔ دیندار اور سیاسیین دونوں غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ان دونوں کی غلطی ایک امر غامض اور مشکل بن گئی ہے۔

انسانیت اول سے آخر تک شئی واحد ہے جس کی تقسیم ناممکن ہے۔ پس وہ تحریک اجتماعیہ انسانیہ جس کا نام دینی وسیاسی رکھا گیا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہو ہی نہیں سکتیں جبکہ دونوں تحریکوں کا مطمع نظر حقیقت انسانیہ ہے۔

اس سے ہم دست بردار نہیں ہوسکتے کہ یہ ہمارے قانونی اختیار کی حد سے باہر ہے۔ ہم دانا دشمنوں اور نادان دوستوں اور اپنی مساجد کے خطیبوں سے کہہ دینا چاہتے ہیں کہ دنیا کو ہم بُرا نہیں سمجھتے اور دین کے ساتھ دنیا کی عزت بھی چاہتے ہیں، اور دنیا میں فوز وفلاح کا نتیجہ دنیا کی حکومت ہے۔

ہمیں قرآن حکیم، پیغمبر اسلام کے قوانین اور علمائے اجتماعیات کی ہدایات نے یقین دلایا ہے کہ اسلام اور حکومت کا تعلق کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ اسلام اور حکومت کا تعلق ایک قابل قبول دعوےٰ ہے اسے ڈاکٹر آرنلڈ کے ان الفاظ سے مسترد کر دینا چاہیئے۔

"اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ فتح وجنگ میں حصہ لینا ہی شان رسالت کے خلاف ہے تو یاد رکھنا چاہیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین میں یہ قول شامل نہیں تھا کہ مری بادشاہی اس دنیا کی نہیں ہے۔

(دعوت اسلام پریفنگ آف اسلام : ڈاکٹر ٹی ڈبلیو آرنلڈ صفحہ ۲۸)

اسلام نے آج تک حکومت سے دستبرداری کے لئے کوئی دستاویز نہیں لکھدی ہے کیونکہ ہمیں مندرجہ ذیل قانونی حوالوں سے معلوم ہوا ہے کہ دنیا کی حکومت ہمارا نصب العین ہے۔

قرآن حکیم اسلام کا قانون کلی ہے اس کے اندر جابجا خلافت وحکومت کا ذکر ہے اسلام کی تخلیق و تکوین کے ساتھ ہی ساتھ نیابتی حکومت وخلافت کا بھی ذکر ہے۔ جس میں مختلف پاروں میں خدا کی حاکمیت وحکومت اور بزرگان خدا کی امارت و ریاست کا تذکرہ موجود ہے۔

قرآن حکیم نے بتلایا ہے یہ حکومت ایک قسم کی امانت ہے، اور مخصوص قسم کا معاہدہ ہے۔ خدا کے بندوں کے لئے خدا داد ورثہ ہے، انسانیت عامہ کے فرمانروائے اعلیٰ (ملک الناس) کی جانب سے ایک نیابتی حق ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پس جب دینی تحریک کی طرف دینی لوگ اپنے تخیلات اور اعمال غیر محققہ کی طرف جو انسان کے اندر موجود ہیں رجوع کریں یا سیاسی لوگ فقط حصول اور معاش کی طرف رجوع کریں تو یہ ارتقاء ذہنی سے اعراض کر رہے ہیں۔ اس وقت ان کا اختلاف فقط ایک اصطلاحی اختلاف ہوگا، اور وہ دونوں فریق کو متنازع اور جنگ کی طرف کھینچ لے جائے گا۔

ہم ایسے لوگوں کی طرف قطعاً التفات نہیں کرتے جو انسانیت کے تمام نواحی گوشوں کو نہیں دیکھتے ان کی غرض صرف انسانیت کے بعض پہلو اور بعض گوشوں سے ہے۔

حکومت کوئی جابرانہ فعل نہیں ہے بلکہ ایک اعلیٰ درجہ کی راہ نمائی ہے جس میں سراسر رشد و ہدایت رضامندی عامہ کو دخل ہے۔ حکومت وخلافت کا تعلق روئے زمین کے اقتدار او استقرار اور تمکن و قرار، سکونت و استعمار سے ہے۔ اور حکومت وخلافت جاہلیت کے طرز پر نہیں ہے بلکہ خدا کے نازل کئے ہوئے قانون و دستور العمل کے مطابق ہے جس کا تمام انسانیت نظام فطرۃ کے مطابق ہونا چاہیئے۔

یہ الفاظ قرآن حکیم کے اندر موجود ہیں "ہم نے آدم کو روئے زمین کا خلیفہ یعنی نائب السلطنت بنایا" "خدا تم کو نیک عمل، نیک کردار لوگوں کو زمین کی حکومت عطا فرمائے گا" "ہم نے ابراہیمؑ کو مملکت عظمیٰ عطا کی"۔ "حضرت سلیمانؑ نے دعا کی تھی کہ مجھ کو اتنی بڑی حکومت عطا فرما کہ اس کی مثال دنیا میں نہ ہو سکے" "ہم نے داؤدؑ اور سلیمانؑ کو حکومت کا علم دیا" وغیرہ وغیرہ۔

ظہور اسلام اور اسلامی حکومت کا تاریخی منظر قرآن حکیم کے وعدوں کی تکمیل ہے قرآن کے ان حصوں کے مطالعہ سے کیجئے جن میں انبیائے کرام کی امامت و ریاست کا ذکر ہے۔

پیغمبر اسلامؐ نے اول اول جو فرمان نافذ کئے ان میں یہ فرمان بھی ہے جس میں اپنے خاندان کو خطاب کر کے تمام دنیا کو پیغمبرانہ اقتدار کی اطلاع دی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

آج تک کوئی جوان ایسا پیدا نہیں ہوا جو تم کو مجھ سے بہتر مطمح نظر سے باخبر کرتا میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی بہتری کے لئے آیا ہوں۔ خدا کی بالادست حکومت سے مجھے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ میں تم کو اس کی طرف دعوت دوں، مجھے حکومت کے لئے وزراء کی ضرورت ہے۔ کوئی ہے جو میرے ساتھ وزیر کی حیثیت سے کام کرے۔ (تاریخ الکامل ابن کثیر ج ۲ ص۲۲)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دینِ صحیح جس کے امام حضرت ابراہیمؑ ہیں وہ تو فطرۃ انسانیہ سے کمال اکمل طریقہ بحث کرتے ہیں۔

کیونکہ یہ تحریک حرکت عالمیہ اور حرکت سیاسیۃ معاً سب پر حاوی ہے۔

بعض سلاطین و بادشاہ صرف ملک کی تحصیل کی کوشش کرتے ہیں اور معلمین صرف اصلاح عقلیہ پر اقتصار کرتے ہیں تو یہ اعمال و مساعی مبادی انسانیت کی تکمیل ہے دین و سیاست میں کوئی تعارض ثابت نہیں کر رہی ہیں اور اس کو ایک واضح مثال سے واضح کر رہے ہیں۔

ایک عالم یہ سمجھ کر علم کی تعلیم دیتا ہے کہ اس میں لوگوں کا فائدہ ہے اور فائدہ کے خیال سے وہ تعلیم دیتا ہے

اس زمانہ میں دنیا کے مفاد کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے۔ تو کیا اس کے بعد ہمیں حق ہے کہ ہم دنیا کے بہترین فوائد کو نظر انداز کر دیں۔

امام ابو عبید قاسم بن سلام متوفی ۲۲۴ھ نے اپنی کتاب جو عہد اسلامی کی بہت قدیم تصنیف ہے اس میں ایک حدیث نقل کی ہے، جو بہت طویل ہے۔ عطاء بن یسار جس کے راوی ہیں۔ اس میں ہے کہ کسی آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آکر کہا

بئس الشیٔ الامارۃ — امارت بہت بری چیز ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نعم الشیٔ الامارۃ — حکومت اچھی چیز ہے

حضرت ابو ذر غفاریؓ سے ایک روایت مروی ہے وہ کہتے ہیں حکومت اچھی چیز ہے اگر اس کی ذمہ داریوں کو پورا کیا جائے تو یہ امانت کے مساوی ہے۔ (کتاب الاموال ص۴۰۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے واقعات کی پیشن گوئی فرمائی کہ مشرق و مغرب کے علاقے تمہارے ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ (تفسیر القرآن ابن کثیر، دمشقی ج ا ص۳۰۱)۔

آپ نے پیشن گوئی فرمائی کہ کسریٰ ہلاک ہو جائے گا اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ رہے گا قیصر روم ہلاک ہو جائے گا اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا اور ان کے خزانے تم خرچ کرو گے۔

آپ نے عالمگیر فتوحات کی تفصیل سے بھی صحابہؓ کو آگاہ کر دیا تھا۔ یمن فتح ہو جائے گا شام فتح ہو جائے گا عراق فتح ہو جائے گا۔ عرب و عجم کے علاقے فتح ہو جائیں گے۔ (جامع صغیر سیوطی ج ا ص۴۷۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ایک جماعت بناتا ہے۔ تاکہ اجتماع انسانی کی مدد کرے ایک ناواقف شخص جو اس کے طریقہ سے واقف نہیں ہے اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ اس کا دفاع کرے اور دفاع کے معنی یہ ہیں کہ علم کے لئے ملک لازم ہے یہی معنی ہمارے اس قول کے ہیں انسانیت تقسیم نہیں ہوتی۔

اگر ایک جماعت اور گروہ کچھ منافع کی خدمات انجام دیتی ہے اور وہ انکار و استنکاف نہیں کرتا وہ بھی جامعہ انسانیہ کا ایک جزء ہے تو ایسے لوگوں پر کوئی انکار و استنکاف نہیں کر سکتا۔ یا ائمہ ادیان، پیشوایان دین بھی جامعیۂ انسانیہ کے امام نہیں بن سکتے کہ یہ لوگ بعض منافع کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ جماعت انسانیہ کے کنارے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ درجہ ائمہ جامعہ سے کمتر ہیں۔

ہمارے کلام کا ماحصل یہ ہے کہ آئمہ ادیان، پیشوایان مذہب اجتماعیہ انسانیہ کے امام نہیں ہیں اب وہ سیاسی گروہ ہو یا فلسفیوں کا گروہ ہو جب انھوں نے طے کر لیا کہ جامعیہ انسانیہ کے ماتحت اجزاء نہیں یہ لوگ درجہ ثانیہ کے لوگ ہوں گے۔

ہمارے نزدیک جب ایک انسان دین کے معنی سمجھتا ہے اور اجتماعیہ انسانی کو جانتا ہے۔ اور

بنی عامر کے سردار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر سوال و جواب کیا۔ روایت طویل ہے لیکن آخری فقرہ یہ تھا۔ یہ تو موت کے بعد کی باتیں ہیں۔ دنیا کے فوائد معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اس یادگار تاریخی سوال کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمایا۔

نعم النصر والتمکن فی البلاد — خوش آئند فتوحات اور ملکوں پر حکومت

(تاریخ الکامل ابن اثیر الجزری)

مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، حضرت عمر بن خطابؓ حضرت عثمان بن عفانؓ عام مزدوروں کی طرح پتھر لا رہے تھے۔ آپؐ نے صحابہؓ سے خطاب کر کے فرمایا:

ہولاء ولاۃ امری (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۱۳–۲۱۸) یہ مری حکومت کے والی امر ہوں گے۔

یہ تمام نزروایات و آثار بتا رہے ہیں کہ دین و مذہب اور سیاست علیحدہ چیز نہیں ہیں بلکہ دین و مذہب اور ایک ہی چیز ہے اور تمام علمائے اجتماعیات یہی کہتے ہیں فھل من المتذکر؟

ابو العلاء محمد اسمٰعیل کان اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور انسانیت کی خدمات انجام دیتا ہے اب وہ سیاسی آدمی ہے تو فلسفی کو اجتماعیۃ النسانیہ کا امام نہیں گردانا جائے گا۔ سوائے آئمہ ادیان کے کہ یہی حضرات اجتماعیہ انسانیہ کے آئمہ ہو سکتے ہیں۔

جب قرآن کا مقصد یہ ہے کہ تحریک عالمیہ کی تکمیل کی جائے اور تمام امتوں اور قوموں کو ایک راستہ لگادیوے اور جمع کر دیوے تو حضرت ابراہیمؑ سے اس کی ابتداء کی اور اسے پورا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی پہلی آیت میں "رب العالمین" کی صفت بیان کی اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولیٰ اور بہتر ہے[1]

الحمد للہ رب العالمین کے معنی یہ ہیں کہ جو عالمی نظام مختلف امتوں میں قائم ہے جس کو اللہ رب العالمین نے قائم کیا ہے وہ اس قابل ہے کہ اس کی حمد و ثنا کی جائے کیونکہ اس نظام میں کسی قسم کا نقص نہیں ہے۔

وہ نظام جسے اللہ تعالیٰ نے امتوں اور قوموں میں قائم کیا ہے اور جس کو فطرۃ انسانی بنا دیا گیا ہے اس سے بہتر نظام کا خیال ایک قسم کا خبط و سفاہت ہے۔

اس متخیل کو چاہیئے کہ اپنی پوری قوت اس نظام کے سمجھنے اور فطرۃ پر قائم کرنے میں جمع کر دیوے اور کوئی اس کے مناقض نہ ہو پھر اس کو سوچے اور اپنے اندر جمع کرے، اور یہ اس شخص پر لازم اور ضروری ہے جو اس نظام سے بہتر نظام کا خیال رکھتا ہو۔ نیز اس پر واجب ہے کہ اپنے متخیلہ نظام کے قائم کرنے پر غور و فکر کرے جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہی نظام فطرہ ہے۔ لیکن یہ جملہ "الحمد للہ رب العالمین" تم کو ایسا کرنے سے روکتا ہے کہ اس قسم کی ہم پیش قدمی کریں گے کیونکہ ایسا سوچنا اور کرنا غیر ممکن ہے۔

بعض حکماء نے جو یہ کہا ہے

لیس فی الامکان ابدع مما کان   جو کچھ کیا ہے اس سے بہتر ایجاد کرنا ممکن نہ تھا۔

---

[1] انسان اپنے پروردگار کو سمجھتا ہے کہ وہ معبود ہے۔ پھر جب وہ حرکت اجتماعیہ شروع کرتا ہے۔ تو "رب العالمین" کو پہنچتا ہے کہ تمام انسانوں کا رب اور پروردگار اور رب العالمین ایک ہی ذات ہے لیکن ذکر صفات سے اس کا علم ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ قول اس حکیم کا اس کی کمال حکمت پر دلالت کرتا ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی فہم و سمجھ فطرۃ انسانی کو جس پر اللہ تعالیٰ نے اس کو مفطور کیا ہے سمجھتا ہے ، لیکن کچھ آدمی اس حکیم کے کلام کو سمجھ نہ سکے ۔ کیونکہ اس تخیل کا پیدا کرنا اور سمجھنا اور اس کی حکمت کو سمجھنا ان لوگوں نے مقدر اور فرض کر لیا ہے ۔ اگر ممکن ہے تو اس سے بہتر عالم بنا کر پیش کریں ۔ اگر ان کی قوت ایجاد اور خیال کے مطابق عالم بنائیں لیکن پہلے ہی قدم میں ان پر اپنے خیالات کا بطلان ثابت ہو جائے گا ۔

اور بہت ہی تعجب ہوتا ہے جبکہ یہ لوگ اکابر علمائے اسلام میں شمار ہوتے ہیں اور اس حکیم سے مراد حجۃ الاسلام امام غزالی ہیں اور ان کے معارض و مقابل قاضی عیاض اور ان کے پیرو ہیں ۔

امام غزالی اور قاضی عیاض کا محاکمہ

ہم یہاں مبنائے اختلاف کو واضح کر دینا چاہتے ہیں ۔ حکماء کہتے ہیں کائنات عالیہ کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا جس طرح کہ صفات خداوندی جو موجب کائنات ہے اس کی ابتداء اور انتہاء نہیں ہے ورنہ صفات کا تاثر سے تعطل لازم آئے گا ۔

اور یہ کائنات مختلف دوروں میں منقسم ہے اور ہر پہلا دور دوسرے کی علت و سبب ہے پس اقتضاء حکمت کے ماتحت یہ مختلف دور یکے بعد دیگرے مسلسل ہوتے رہتے ہیں ۔

انسان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ صرف ایک ہی دور کا تفصیلی احاطہ کر سکے ۔ چہ جائیکہ دور سابق اور دور لاحق کا احاطہ کر سکے ۔ لیکن جب وہ ازلیت صفات اور ابدیہ صفات کی طرف نظر کرتا ہے تو صمیم قلب سے وہ جازم اور یقین اعتقاد رکھتا ہے کہ تعطل صفات نا ممکن ہے ۔ جب اس سے سوال کیا جائے کہ کیا اس سے بہتر دور ممکن ہے ؟ تو اس کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا ۔ تو اس کی فطرۃ بدون شعور کے صفات الٰہیہ کاملہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے ، اور وہ کہہ دیتا ہے ، ہاں اس سے بہتر دور ممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ دوسرے دوروں میں یہ ممکن ہے ۔ اگرچہ وہ اس کے سامنے حاضر نہیں ہے نہ اس کو وہ جانتا ہے ۔ اور جو لوگ کہتے ہیں ایسا ممکن نہیں ہے تو وہ فقط اس دور کو سامنے رکھ کر کہتے ہیں کہ اس دور سے بہتر ممکن نہیں ہے ۔

اس تفصیل و بسط سے ہماری غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو فطرۃ مخصوصہ پر پیدا کیا ہے کہ ان اشیاء میں سے بہتر شئے ممکن نہیں ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم یہ کہتے ہیں یہ فطرۃ انسانی تمام افراد امت میں مشترک ہے اور اجتماعیۃ انسانیہ اسی سے منظم ہوتی ہے اس کے اندر کسی قسم کا ہم نقص نہیں پاتے، اسی لئے ہم اپنے پروردگار کی حمد کرتے ہیں۔

جب انسان کے دل میں یہ حقیقت راسخ ہو جاتی ہے تو اس کا ارادہ ہوتا ہے کہ دین اسلام ہی سے اپنے کو متدین اور مزین بنا لیوے اور وہ اس کا تکیم بن کر رہے اور دین کو اس کی اصلی صورت میں سمجھنے کی کوشش کرے، اگر یہ اس کے سامنے نہیں ہے اور اس کو اس کی معرفت نہیں ہے تو وہ ایک ایسا آدمی ہوگا جو سراسر فوسنوی ہوگا۔ اور اندھا دھوند سارے کام اپنے انجام دے گا۔ اور ایسا شخص کبھی کسی وقت بھی راہ مستقیم کی طرف ہدایت نہیں پائے گا۔

فصل

ام الکتاب الفاتحۂ سات آیتوں پر مشتمل ہے

ام الکتاب سورۂ فاتحہ سات آیتوں پر مشتمل ہے، اور ہمارے نزدیک یہ کل مقاصد قرآن کی تلخیص اور خلاصہ ہے، جب ہم قرآن میں اس احاطہ اور فہرست سے کسی مبحث کو خارج پائیں گے تو ہم کہیں گے قرآن نازل کرنے والے کا مقصد یہ نہیں ہے اس کے قصد و ارادہ سے یہ خارج ہے۔

نظام کائنات کی حکمت کو واضح کرنا جو تسلسل طبقات سے مفضی الی الانسان ہو۔ پھر اجتماعیۃ انسانیہ اور اس کی فطرۃ اور حقیقت انسانیہ کی وضاحت کرنا اور اس فطرۃ سے تجاوز کرنے والوں کا بیان کہ فطرۃ اسے مسترد کرتی ہے اور وہ اپنے مقصد اور اعمال میں خائب و خاسر ہیں۔ یہ تمام باتیں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مخفی نہیں ہے کہ انسانی فطرت کی معرفت اس پر تعمق و تدقیق، غور و تدبر کر سکتا ہے جو حکمت کا بڑا پہاڑ ہو اس سورت میں ہم یہ اشارہ پاتے ہیں کہ قرآن کا مقصد یہ ہے کہ وہ ایک گروہ ایسا پیدا کرے جو معرفت حکمت فطرۃ کا جامع ہو، اور یہ مقصد نہایت اہم اور اعظم ہے۔

جب اور جس وقت یہ گروہ جمع ہو جائے تو قرآن اس کو قوت مرکزیہ اور انسانیت کا اداؤ گردانے جو ارتقاء انسانیت کا نمونہ ہو ——— یہ فصل ختم ہو گئی۔

الرحمٰن الرحیم جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

انسان کی فطرت ماں باپ کی محتاج ہے کہ ماں باپ کی رحمت و رافت سے اس کی فطرت کی تکمیل ہوتی ہے پھر وہ ماں اور باپ سے مستغنی ہو جاتا ہے اور خود دوسروں کا ماں اور باپ بنتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پس انسانیت رحمت آباء علی الاولاد دو جانب سے معمور و مجبور رہے۔ ہمارے آباء ہم پر رحم کریں اور ہم مجبول منظور ہیں کہ اپنی اولاد پر رحم کریں۔

اور ہمارے نزدیک رحمت سے معنی تعاطف آباء علی الاولاد سے معروف و مشہور ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کو سو حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ان سو حصوں میں سے ایک حصہ کو اپنی ساری مخلوق پر تقسیم کیا ہے اور اس میں سے جو کچھ ماں باپ کو ملا اس سے وہ بچوں پر رحم کیا کرتے ہیں۔ (ہکذا او مثلہ)

اس حدیث کی شرح میں ہمارا ایک خاص طریقہ ہے۔ ہم اپنی قدرت کے مطابق ماں باپوں کی رحمتوں کو جو وہ اپنی اولادوں پر کرتے ہیں جمع کریں تو یہ لاکھوں اور کروڑوں ملیوں سے زیادہ ہو جاتی ہے اس کے ساتھ حیوانات اور دوسرے حلقوں، اور دوسری مخلوقات کو اس کے ساتھ ملا لیجئے، بے شمار بے حساب رحمتیں ہو جاتیں ہیں۔ ان اعداد و شمار کو اجمالا اپنے ذہن میں جمع کرلیں پھر اس کو سو میں ضرب دیں تو اس کے بعد ہم اللہ کی رحمت کو سمجھ سکتے ہیں کہ وہ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم ہے اور ہمارے نزدیک ہماری فکر میں خدا کی رحمت ایک خاص گنتی کی صورت میں آجاتی ہے۔

خود ہمیں ماں باپ کی رحمت میں ایک بین فرق نظر آرہا ہے۔ باپ یہ چاہتا ہے اس کا لڑکا شرف کی بلندیوں اور سیادت اسرواری کی اعلیٰ منزلوں تک ترقی کرے، اس کو اس میں پروا نہیں کہ وہ مشقت وہ مصائب کے پہاڑ اٹھائے۔ وہ اس راہ کی تمام تر مشکلات دشواریوں اور مصائب برداشت کرے لیکن یہ اسے ضرور حاصل کرے، مشقتوں اور دشواریوں سے ذرہ برابر وہ متاثر نہیں ہوتا۔

ماؤں کی رحمت اور شفقت دوسری قسم کی ہوتی ہے۔ ان کے سامنے یہ چیز نہیں ہوتی ہے کہ ان کی اولاد ترقی کے مراتب حاصل کرتی ہے یا نہیں وہ فقط یہ دیکھتی ہیں کہ ان کی اولاد تعب و مشقت میں نہ پڑے، تعب و مشقت ان کے جگر کے ٹکڑے کو مجروح نہ کرے۔

جب ہم نے یہ سمجھ لیا کہ تو ہم اپنے رب، اپنے پروردگار کی رحمت کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ رحمت دو قسم کی ہے۔ ایک آباء یعنی باپوں کی رحمت و محبت جو صدہا درجے زیادہ ہوتی ہے۔ اس قسم کو ہم کلمہ "الرحمٰن" کا مصداق گردانتے ہیں۔ قرآن میں ہم پاتے ہیں

الرحمٰن علم القرآن — رحمٰن ہے جس نے تم کو قرآن کی تعلیم دی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور دوسرے کمالات جو نفس اس سورۃ میں پائے جاتے ہیں ان کا حصول مشقت و تعب سے بغیر نہیں ہوتا مثلاً کمال بیان، اور آیات معرفت، حساب اور وہ آلات جن کے ذریعہ انسان رب اور پروردگار کی معرفت اور اس کو سجدہ وغیرہ کرنے کی طرف رجوع ہوتے ہیں ان کو سمجھنا یہ کمالات بلا مشقت و تعب حاصل نہیں ہو سکتے۔

اور دوسری قسم تمام ماؤں کی رحمت و محبت ہے اس کو ہم اسم "رحیم" کا مصداق گردانتے ہیں۔

سورۃ شعراء میں مومنوں اور کافروں کا مقابلہ کیا ہے کفار کو عذاب ہوگا اور وہ معتوب ہوں گے اور مومنوں پر آخرۃ میں رحم کیا جائے گا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے دو نام پیش فرمائے ہیں فرماتا ہے

ان ربك لهو العزيز الرحيم بے شک تمہارا رب وہی عزیز رحم کرنے والا ہے

عزیز بہ نسبت کفار کہا گیا ہے جو عزۃ عزیز کے خلاف وزری کرتے ہیں انہیں عذاب دیا جائیگا اور "رحیم" بہ نسبت مومنوں کے کہا گیا ہے وہ ان کو جنت میں داخل کرے گا جہاں نہ تکلیف ہے نہ تعب و مشقت ہے تو معلوم ہوا تمام تر جنتیں جن کا ذکر و بیان 'عزیز' میں ہے اور جن کے مدارج مختلف ہیں۔ وہ یا تو انسانیت میں موجود ہیں یا رحمت پروردگار ہیں، جو لطائف انسانی میں موجود ہیں ان میں موجود ہیں۔ ان تمام کا مرجع، ان تمام کا ذکر و بیان کا سرچشمہ یہی آیت کریمہ ہے۔

پس انسان کو اگر معلوم ہو جائے کہ تمام انسانوں کے لئے یہی دو اسم "رحمٰن رحیم" قائم مقام آباؤ امہات کے ہیں۔ تو وہ ان دونوں اسموں سے مانوس ہو جاتا ہے اور وہ خوف و مایوسی جو والدین کے مرنے سے وہ پاتا ہے، رفع ہو جاتا ہے اور اسے خود استطاعت ہوتی ہے کہ آسانی اور سہولت سے مدارج انسانیت طے کرے۔

تو یہ تعلیم بھی تکمیل فطرۃ انسانی ہے جو انسان کی اہم ترین حاجات و ضروریات کو پورا کرتی ہے۔

قولہٗ مالك يوم الدين : انصاف کے دن کا مالک ہے۔

جبکہ یہ رحمت مختلف و متباین استعداد رکھنے والوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور ان کی فطرۃ کی تکمیل کی طرف بڑھتی ہے، تو بالطبع ان میں اختلاف ہونا ضروری ہے کہ ہر ایک کی انسانیت مختلف ہے اور یہی اختلاف ایک دوسرے پر ظلم کرنے کی طرف مؤدی ہوتا ہے یہاں تک کہ ایک دوسرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو قتل کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور یہی اجتماعیہ النسانیہ کا اقتضا ہے۔ لیکن ارتقاء اجتماع انسانی نہیں پایا جاتا تو یہ دوسری چیز ہے۔ جب کسی باغ میں درخت کے لئے سارے درخت مدد کے لئے دوڑ پڑیں اور اس درخت کی تمام ڈالیاں، ٹہنیاں اور پتے دوسرے کی ڈالیوں اور ٹہنیوں اور پتوں سے چمٹ جائیں تو اس حالت میں بھی فطرۃ انسانی کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ کوئی فیصلہ اور حکم کیا جائے۔ ہم کہتے ہیں یہ فیصلہ اور حکم انصاف اور حکم خداوندی ہے، کیونکہ اللہ حق سبحانہ انسانیت میں نزاع اور اختلاف اور جنگ و قتال کو جاری رکھنا پسند نہیں کرتا۔ ان میں عدل وانصاف سے فیصلہ ہونا ہی چاہیئے جو انسانوں کو فنا ہونے سے بچا لیوے، اس طرح یہی تسلسل انسانیہ اور انسانی ترقی ہوتی ہے۔

پس جس طرح انسان رحمت پروردگار کا محتاج ہے اور رحمت ربوبیہ رب کی تفسیر ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کے انصاف کا محتاج ہے اور یہی انصاف وعدل ملوکیۃ رب کی شرح ہے۔

پس "الرحمٰن الرحیم" دونوں کے معنی "رب الناس" کے ہیں اور "مالک یوم الدین" کے معنی لوگوں کے مالک اور بادشاہ کے ہوتے ہیں۔

پس اجتماع انسانی ایک ایسے مالک اور بادشاہ حاکم سے کسی حال میں مستغنی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی ملوکیۃ دنیا جہاں کے سامنے واضح اور ظاہر کرے کیونکہ طبعًا لوگ سوال کرتے ہیں کہ کوئی انسان ہے جو حق کا فیصلہ کر دے۔

اور یہ ظلم اور باہمی قتال و جنگ عام فطرۃ انسانی ہے اور اجتماع انسانی کے ہر دور سے اسے دیکھتے چلے آئے ہیں اور اسی بنا پر ملائکہ اور فرشتوں نے پروردگار سے کہا تھا:

اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفك الدماء — کیا تو زمین پر ایسے لوگوں کو آباد کرتا ہے جو زمین پر فساد کرتے ہیں اور خون بہاتے ہیں۔

جب انسان، انسانیت کے اندر گھس جاتا ہے اور ہر فعل کو مسلسل مستند اسباب پاتا ہے تو اسے یقین کامل ہو جاتا ہے کہ ایک خاص حکمت کے ماتحت انسان سے یہ افعال واعمال صادر ہوتے ہیں اور یہ افعال انسان سے خوامخواہ صادر نہیں ہوتے اس کے بعد انسان اس اختلاف وقتال کے سر ورمز کو پاتا ہے۔

ہر ظالم ومظلوم طبعی طور پر یہ چاہتا ہے کہ دونوں میں کوئی ایسا حاکم اور ایسا فیصلہ کرنے والا ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو عدل و انصاف سے فیصلہ کر دیوے تو ان پر واضح ہو جاتا ہے پروردگار لوگوں کا مالک اور حاکم ہے اور اس قسم کی ربوبیۃ و پروردگاری اور ملوکیۃ مخلوقات پر ظاہر اور واضح نہیں ہوتی سوائے انسانیت کے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کا قہر و غلبہ مخلوقات و مصنوعات میں بغیر ان کے ارادہ اور قصد کے نافذ اور جاری ہے اور یہ حکم انسانیت کے اندر اس کے ارادہ سے نافذ اور جاری ہے۔ پس ان دونوں میں بین فرق ہے۔

ہم حکمت امام ولی اللہ دہلوی سے جانتے ہیں کہ ہر فعل کی جزاء اور بدلہ اس وقت ملتا ہے جبکہ فعل انسان کا پورا ہو جائے اور انسان فعل کو کر گذرے۔ یہی مجازاہ افعال "دین" کے معنی ہیں۔

پس انسان اپنے اعمال و افعال میں مالک یوم الدین کا محتاج ہے۔

جب ایک انسان کسی فعل میں مشغول ہوتا ہے تو یہ اس کے عمل کا دن ہوتا ہے جب یہ فعل پورا ہو جاتا تو یوم جزاء آتا ہے اور ایسا اس فعل میں ہوتا ہے جس میں فوری طور پر بدلہ ملتا ہے اور جب اجتماعیہ انسانیہ کا کوئی بڑا فعل ہوتا ہے جو کئی سو برس کے بعد ختم ہوتا ہے تو اس کی پوری پوری جزاء اور بدلہ فعل ختم ہونے کے بعد قوانین حکمت کی رُو سے ملتا ہے۔ تو جزاء کا ملنا اور ہر چھوٹے بڑے کا علی الفور یا تراخی اور ڈھیل سے ماتحت اقتضاء فطرۃ انسانیہ کے ہوتا ہے۔

(جاری ہے)

بقیہ صفحہ ۳۷ سے آگے

رہنے لگے ایسے نڈھال ہوئے کہ پھر سنبھل نہ سکے، اُن کا انگ انگ ایسا ٹوٹا کہ ۳ر جنوری ۱۹۸۸ء کو اس جہان رنگ و بو سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔

مولانا عبدالواحد سندھی بے حد دلآویز اور باوقار شخصیت کے مالک تھے، مشرقی تمدن کا سراپا نمونہ تھے، سادہ لوح، منکسر المزاج، محبت و مروت میں اپنی مثال آپ، شاید ایسے ہی جلیل القدر یادگار سلف بزرگوں کے لئے کہا گیا ہے ؎

زندہ جاوید ماند، ہر کہ نکونام زلیست
کز عقبش ذکر خیر، زندہ کند نام را

© rasailojaraid.com